ادب برائے ادب یا برائے اسلام؟

☆پروفیسر ڈاکٹر محمود احمد غازی

دب کے بارے میں ایک طویل عرصے سے یہ گفتگو جاری ہے کہ ادب برائے ادب ہونا چاہئے یا دب برائے زندگی۔ لکھنے والوں نے ادب برائے ادب کے بارے میں بھی بہت کچھ کہا ہے اور ادب برائے زندگی کے حق میں بھی اس نقطہ نظر کے علمبرداروں نے دلائل دیئے ہیں۔ لیکن اس سوال کا جواب دینے سے پہلے کہ ادب صرف ادب کے لئے ہو، یا ادب زندگی کے کسی اعلیٰ ترین مقصد کے حصول کا وسیلہ ہونا چاہئے، ایک اور اہم بنیادی سوال کا جواب دیا جانا ضروری ہے وہ یہ کہ خود زندگی کا بھی کوئی مقصد ہے یا ایک بے مقصد تسلسل روز وشب کا نام اور ایک بے ہدف کاوش اور بے منزل سفر ہے

جن اقوام تہذیبوں بلکہ جن افراد اور گروہوں میں زندگی بے مقصد اور بے ہدف سمجھی جاتی ہے، کیونکہ ان کے مطابق اس زندگی کا کوئی نتیجہ نکلنے والا نہیں ہے، وہ ادب برائے ادب کے تصور کے قائل ہیں۔ لیکن ہر وہ تہذیب اور ہر وہ قوم جس کے لئے زندگی با مقصد ہے، زندگی کا کوئی اعلیٰ و ارفع مقصد ہے، وہ سب قومیں اور وہ سب تہذیبیں ادب برائے زندگی کی تصور کے علمبردار ہیں۔ اگر خود ہماری زندگی میں کوئی اعلیٰ وارفع مقصد موجود نہیں ہے اور یہاں زندگی گزارنے کی حد تک انسان اور حیوان ایک دوسرے کے رفیق اور ایک دوسرے کے شریک ہیں، پھر جس طرح سے مرنے کے بعد حیوانات کی زندگی ختم ہوجاتی ہے، اسی طرح اگر انسانوں کی زندگی بھی ختم ہونے والی ہوتو پھر ادب کیلئے کسی اعلیٰ مقصد کی ضرورت نہیں رہتی۔ ادب برائے ادب یعنی شاعری صرف اس لئے کی جائے کہ کسی کو شاعری پسند ہے، افسانہ اس لئے لکھا جائے کہ کسی کو افسانہ پسند ہے، لفظی صنائع وبدائع اس لئے اختیار کئے جائیں کہ پڑھنے والوں کو پسند آتے ہیں، ان چیزوں کے علاوہ کوئی اور مقصد سامنے نہ ہو، تو اس ادب کے وہ نتائج نکلتے ہیں جو آج کے بد سے بدتر ادب میں عریانی وفحاشی پر مبنی تحریروں کے نمونوں اور ادب کے ان مجموعوں میں نظر آتے ہیں جو

☆سابق صدر (چانسلر) بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی وفاقی وزیر مذہبی امور اسلام آباد

بے ہدف اقوام، بے مقصد تہذیبوں اور بے منزل لوگوں نے اختیار کئے ہیں۔ یہاں یہ بات انتہائی اہم اور یاد رکھنے کی ہے کہ اسلام کی تاریخ میں، مسلمان ادباء اور مسلمان شعراء میں کبھی بھی روز اول سے یہ سوال پیدا نہیں ہوا کہ ادب کو محض ادب کے لئے ہونا چاہئے یا کسی اعلیٰ وارفع مقصد کیلئے بطور ذریعہ اور وسیلہ اختیار کرنا چاہئے۔ اس لئے کہ اگر خود کوئی زندگی کا مقصد ہے، اور اگر مسلمان کی اپنی زندگی کا کوئی ہدف ہے تو پھر مسلمان ادیب اور شاعر کا ہدف بھی وہی ہونا چاہئے جو اس کی زندگی کا مقصد اور ہدف ہے۔

ادب کا اسلامی تصور بیان کرتے ہوئے سب سے پہلی بات یہ ذہن میں رکھنی چاہئے وہ یہ کہ اسلام کی تعلیمات اور احکام میں، مسلمانوں کی روایات میں، اور مسلمانوں کی تاریخ میں ادب کا ہمیشہ ایک اعلیٰ وارفع مقصد رہا ہے۔ خود صحابہ کرامؓ میں بہت سے ادیب، شعرا اور خطباء تھے، جن کی فنی مہارت پورے عرب میں تسلیم کی جاتی تھی۔ ان سب شاعروں اور ادیبوں نے اور پورے چودہ سو سال کے ادیبوں اور شاعروں نے اپنی ادبی کاوشوں بلکہ اپنے رویہ اور طرز عمل سے بھی ایک ہی پیغام دیا، اور وہ یہ کہ ادب بے مقصد نہیں، ادبی کاوشیں بے ہدف نہیں، ان سب کا کوئی مقصد یا ہدف ہے، اور ہونا چاہئے۔ وہ ہدف اور مقصد وہی ہے جو ایک مسلمان کی زندگی کا ہدف اور مقصد ہے۔ اس ایک مقصد اور اس ایک ہدف سے ہٹ کر کوئی اور ہدف اور مقصد نہیں اپنا سکتا۔

لیکن جب ہم یہ بات کہتے ہیں تو ادب کے عام نظریہ سازوں اور ادب برائے ادب کا نظریہ رکھنے والوں کی طرف سے جو اعتراض وارد ہوتا ہے، وہ واقعی ایک وقیع اعتراض ہے اور جب تک اس اعتراض کو سامنے نہیں رکھا جائے، اس وقت تک ادب کی صحیح بنیادوں، ادب کی صحیح حدود اور صحیح خطوط کو متعین کرنا بڑا دشوار ہوگا۔ ان حضرات کی طرف سے کہا جاتا ہے کہ اگر ادب کا وہی مقصد ہے جو ایک عام مسلمان کی زندگی کا مقصد ہے تو پھر ادب میں اور وعظ میں، ادب میں اور عام دعوت تبلیغ میں بنیادی فرق کیا ہوا؟ ایک عام واعظ اور ایک عام دعوت دینے والا جب دعوت و تبلیغ کا کام کر رہا ہوتا ہے تو وہ اسی مقصد کی جانب پیش قدمی کر رہا ہوتا ہے، تو پھر ادب میں اور ایک عام تبلیغی سرگرمی میں کس طرح فرق کیا جائے گا اور ان دونوں کے درمیان بنیادی فرق کو کس طرح واضح کیا جائے گا؟

جب ہم ادب کا نام لیتے ہیں تو قلمی کاوشوں اور فکری سرگرمیوں کا ایک مخصوص نقشہ اور ایک مخصوص قسم کی شاعری اور لٹریچر ہمارے سامنے آتا ہے۔ ادب کا تذکرہ کرنے سے عام دعوتی اور تبلیغی سرگرمیوں کیلئے پیدا کیا جانے والا مواد یا تحریریں یا کتابیں ہمارے ذہن میں نہیں آتیں۔ جب ہم اسلامی ادب کا ذکر کرتے ہیں تو ہمارے سامنے اقبال، اکبرالہ آبادی، مولانا حالی، یا ماہرالقادری وغیرہ کی شاعری اور شبلی نعمانی، عبدالحلیم شرر، نسیم حجازی اور ان جیسے دوسرے حضرات کی ادبی کاوشیں اور نثری تحریریں آتی ہیں۔ عربی زبان میں اسلامی ادب کا ذکر کریں تو قصائد حسان اور حافظ ابراہیم کے قصائد ملتے ہیں لیکن اسلامی ادب کا تذکرہ کرتے ہوئے بہشتی زیور یا تعلیم الاسلام ہمارے تصور میں نہیں آتیں۔ اس کا مطلب ہے اسلامی ادب کا تصور بھی ادب کا ایک ایسا معیار رکھتا ہے کہ اس کے بارے میں یہ اعتراض یا یہ شبہ کہ اس میں اور عام دعوتی سرگرمی میں، اس میں اور عام وعظ گوئی میں اور ادبی تحریروں اور مذہبی تحریروں میں اور شعری کاوشوں اور مذہبی لٹریچر میں کوئی فرق نہیں، غلط فہمی پر مبنی ہے۔

ادب کے اصناف، مثلاً نظم اور نثر اور ان کی اقسام کے بارے میں مسلمانوں میں عام تصور کیا رہا ہے؟ قرآن مجید میں کیا کہا گیا ہے؟ حدیث اور سنت میں کیا کہا گیا ہے؟ صحابہ کرام اور ان کے بعد آنے والوں نے، جو اسلام کے مستند ترین ترجمان اور اس کے نمائندے تھے، ادب کے بارے میں کس طرح کا تصور اپنے ذہن میں رکھا؟ ان کے تصورات یا خیالات سے اسلامی ادب کا کیا نقشہ ہمارے سامنے آتا ہے؟ ان سب پر سرسری نظر ہی ڈال لینے ہی سے ادب کے بارے میں اسلام کا تصور ہمارے ذہنوں میں صاف ہو جائے گا۔

قرآن مجید میں سورۃ شعراء میں شاعروں کا ذکر آیا ہے(۱) یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ جب قرآن میں شاعروں کا ذکر آ گیا تو گویا ادیبوں کے ایک بہت بڑے گروہ کا ذکر ہو گیا۔ یہ گویا کہ ادب کے ایک بڑے ترجمان گروہ کا ذکر ہے جس کو ہم ادب کے بقیہ طبقوں پر جو شاعر نہیں ہیں، نثر نگار بلکہ افسانہ نگار ہیں یا دوسری اصناف ادب میں سرگرم عمل ہیں، پر بھی منطبق کر سکتے ہیں۔ قرآن مجید میں سورہ شعراء کی آخری آیات میں شعرا کی دو قسمیں بیان کی گئی ہیں: (۲)
ایک وہ شعرا ہیں جن کی پیروی کرنے والے وہ لوگ ہیں جن کا کوئی مقصد نہیں ہوتا۔ وہ محض ایک

وقتی لذت کے خاطر، محض بیان کی خوشنمائی کے خاطر اور محض الفاظ کی دروبست اور آواز کی زیر و بم کی وجہ سے ان شاعروں کی پیروی کرتے ہیں، ان کی حوصلہ افزائی کرتے ہیں اور گویا ایک اعتبار سے ان کے پروموٹرز ہوتے ہیں۔ ان کا کوئی ہدف نہیں ہوتا۔ جس طرف ان کے تصورات اور ان کا دماغ چلا جائے، ان کے افکار ان کی خواہشات کا جس طرف رجحان ہو جائے، اسی طرف ان کی ادبی سرگرمیاں شروع ہو جاتی ہیں، کبھی ایک وادی میں کبھی دوسری وادی میں۔ ان کے سامنے کوئی منزل مقصود اور کوئی ہدف نہیں ہوتا۔ نہ ان کے پیروکاروں کی کوئی منزل مقصود ہوتی ہے۔ پھر بہت سی باتیں وہ ایسی کرتے ہیں جو ان کے ایمان یا عقیدے سے نہیں نکلتیں۔ کہنے کو ان میں سے بعض اچھی باتیں کرنے والے بھی ہیں۔ بعض عام مظاہر فطرت پر قلم زنی کرنے والے بھی ہیں۔ لیکن ان کی ساری ادبی کاوشوں کا، ان کی شعر و شاعری کا اور ان کی نثر نگاری کا مظہر ان کا اپنا عقیدہ اور نظریہ کچھ اور ہوتا ہے لیکن شعر و شاعری میں کچھ اور کہہ رہے ہوتے ہیں۔ خود کسی اور نظریہ کے علمبردار ہوتے ہیں لیکن ان کی شاعری میں کوئی اور نظریہ سامنے آتا ہے۔

۱۔ ان کے پیروکاروں کی کوئی منزل مقصود نہیں

۲۔ ان کا اپنا کوئی ہدف اور متعین میدان کار نہیں

۳۔ اور ان کے قول و فعل میں مطابقت نہیں

دوسرا گروہ وہ ہے جس کا ایک عقیدہ اور کوئی متعین ہدف اور واضح مقصد ہے۔ ان کے سامنے کوئی متعین منزل اور ایک واضح راستہ ہوتا ہے۔ وہ اپنے پیروکاروں کو اس راستے پر لیجانا چاہتے ہیں۔ وہ محض اپنے مداحوں اور پیروکاروں سے تحسین و آفریں کی توقع نہیں کرتے بلکہ ان کو ایک واضح اور متعین ہدف تک لیجانا چاہتے ہیں ان کے سامنے اپنے لئے اپنے پیروکاروں، مداحوں اور قارئین کے لئے اور ان تمام لوگوں کیلئے جو ان کی تحریروں سے ان کے کلام سے اور ان کے ادب سے متاثر ہو رہے ہیں، ایک مقصد واضح ہوتا ہے۔ یہ لوگ جو کہتے ہیں اس پر خود بھی عمل پیرا ہوتے ہیں۔ جس منزل کا نشاں ان کی تحریروں میں ملتا ہے یہ خود بھی اسی منزل کی طرف رواں دواں رہتے ہیں۔ یہ شاعروں اور ادیبوں کی ایک دوسری کٹیگری ہے۔ (۳)

ظاہر ہے کہ ایک مسلمان شاعر اور ایک مسلمان ادیب کا تعلق اسی دوسری کٹیگری سے ہوسکتا

ہے، پہلے گروہ سے نہیں۔ مسلمان ادیب اور مسلمان شاعر کے سامنے ایک متعین ہدف ہوگا، امت مسلمہ کا مفاد، امت مسلمہ کی دنیا اور آخرت کی بہود، مسلمانوں کے کردار کی تشکیل، دنیائے اسلام میں اسلام کی بالادستی اور مسلمانون کی عزت وترقی۔ اس دنیا میں مسلمانوں کے لئے ایک خوش آئندہ مستقبل کی تشکیل اور پھر بالآخر ایک خوش آئندہ آخرت کی تعمیر۔ یہ وہ بنیادی اہداف ہین جو ایک مسلمان ادیب اور شاعر کا ہدف ہوسکتے ہیں

اس مقصد کو حاصل کرنے کیلئے ایک مسلمان شاعر اور ادیب جو کچھ بھی لکھتا ہے اس میں قرآن مجید کی اس آیت کی روشنی میں تین چیزیں شامل ہونی چاہئیں (۴)

۱۔ ایک مسلمان ادیب اور شاعر کا مقصد متعین ہونا چاہئے

۲۔ اس کا مخاطب متعین ہونا چاہئے

۳۔ جو لکھتے ہوں وہ خون جگر اور ایمان وایقان کے جذبہ سے لکھتے ہوں اور اپنے پیغام پر خود بھی کاربند ہوں

پہلی بات ایک مسلمان شاعر اور ادیب کا مقصد متعین ہونا چاہئے، اس کا صحیح اندازہ کرنے کیلئے آپ مشہور اور مثالی مسلمان ادیبوں کے کام پر نظر ڈالئے ۹ مثلاً اکبر الہ آبادی کی شہرت ایک مزاح نگار اور ایک طنز نگار شاعر کی ہے لیکن ان کی طنز نگاری اور مزاح نگاری میں ایک متعین ہدف سامنے معلوم ہوتا ہے۔ ان کے کلیات کے کسی بھی حصے پر نظر ڈالتے ہی اندازہ ہوجاتا ہے کہ وہ اپنے قاری کو مغربی تہذیب کے منفی اثرات سے محفوظ رکھنا چاہتے ہیں اور اسلامی تہذیب وتمدن کی ان بنیادوں کو نمایاں کرنا چاہتے ہیں جن کو لوگ مغربی تصورات کے اثر سے نظر انداز کردینا یا بھلادینا چاہتے تھے۔ اور ان کو بھلائے جانے یا نظر انداز کئے جانے کی ایک رو اور ایک روش عام طور پر پیدا ہوچلی تھی۔ یہ ایک ہدف ہے اکبر الہ آبادی کی ہر تحریر اور ہر نظم میں، ان کے کلیات کے ہر صفحہ پر آپ کو نظر آئے گا۔ کہیں وہ اونٹ اور موٹر گاڑی کا تقابلی مطالعہ کررہے ہیں، کہیں کالج اور خانقاہ کا تقابل فرمارہے ہیں، کہیں وہ کوٹ پتلون، ناچنے کے انداز، چائے اور بسکٹ پر تبصرہ کررہے ہیں، غرض بہت ہی معمولی چیزوں کا موازنہ اپنے مخصوص ظریفانہ انداز میں کررہے ہیں۔ یہ بظاہر عام سی چیزیں ہیں اور ان کو مزاح اور لطف کے طور پر لیا جاتا ہے لیکن ان میں سے ہر ایک کے

پیچھے ایک متعین مقصد موجود ہے، وہ یہ کہ عام قاری کو مغربی تہذیب کے بڑھتے ہوئے اثرات سے محفوظ رکھنے کی کوشش کی جائے اور اسلامی تہذیب کی اقدار کو زندہ کرنے کی کوشش کی جائے جن کو مسلمانوں کا ایک طبقہ بھلانے کے درپر تھا۔ یہ ہے وہ متعین ہدف جو عمومی اسلامی اہداف کے اندر ایک نمایاں مقام رکھتا ہے۔ یہ ایک بنیادی تصور ہے جو اکبرالہ آبادی کے ہاں ملتا ہے۔ اور ان کے قریب قریب ہر نظم اور غزل میں جھلکتا ہے۔

مولانا حالی کی مثالیں لیں۔ مولانا حالی کو نوشاہ نو کا شاعر کہا جاتا ہے۔ انہوں نے مسدس مدوجزر اسلام لکھی نشاۃ نو کی اس شاعری کو بالخصوص ان کی اس مسدس کو سامنے رکھیں، اس میں مسلمانوں کے ماضی پر تبصرہ ہے، حال پر اظہار افسوس اور مستقبل کے بارے میں امید افزا اشارے ہیں۔ مسدس میں ادب کی وہ ساری خوبیاں موجود ہیں جن کو اردو اور فارسی میں مثنوی لکھنے والوں نے خوبیاں مانا ہے۔ لیکن یہ خوبیاں مولانا حالی کا براہ راست مقصود نہیں ہیں۔ ان کا مقصد صرف ایک تھا کہ مسلمانوں کو ان کا ماضی یاد دلا کر ان کے اندر اعتماد پیدا کیا جائے اور پھر ان کو عمل پر ابھارا جائے۔ مثنوی یا اس کے شعری محاسن ان کا براہ راست ہدف نہیں ہیں۔ وہ مثنوی برائے مثنوی نہیں لکھتے بلکہ جن اسباب کی بنا پر ماضی میں مسلمان ان کارناموں کو انجام دینے کے قابل ہوئے انہیں یاد دلا کر یہ بتاتے ہیں کہ آج اگر مسلمان وہ اسباب پیدا کرلیں تو وہی عروج اور وہی ترقی ایک بار پھر انکا مقدر بن سکتی ہے۔ مسلمانوں میں موجود کمزوری کیسے اور کیوں پیدا ہوئی اس پر بھی مثنوی میں تبصرہ ہے اور اس کمزوری کے اسباب کی نشاندہی بھی ہے۔ ان اسباب کو کیسے دور کیا جائے اور آئندہ ایک بہتر مستقبل کی تشکیل کیسے کی جائے، یہ دراصل مسدس مدوجزر اسلام کا بنیادی مقصد اور تھیم (theme) ہے۔

دوسری بنیادی صفت قرآن پاک نے جو بتائی وہ یہ کہ جو لوگ ان شاعروں اور ادیبوں سے متاثر ہوتے ہیں وہ کون لوگ ہیں یعنی ان کے مخاطبین کون ہیں، ایک شاعر یا ادیب خلا میں کام نہیں کرتا۔ ایک فنکار جب کام کرتا ہے تو اس کے مخاطبین کہیں نہ کہیں موجود ہوتے ہیں۔ لہذا آپ کیلئے میرا مشورہ یہ ہے کہ آپ جب کوئی افسانہ یا ڈرامہ لکھنے بیٹھیں تو سب سے پہلے اپنے مخاطبین متعین کرلیں۔ دیکھئے قرآن بھی اپنے مخاطبین کو سامنے رکھ کر تبصرہ کرتا ہے۔ مثلاً آپ کوئی افسانہ

لکھ رہے ہوں اور آپ کے ذہن میں آپ کا قاری نہ ہو۔ اس لئے اگر آپ اپنے ذہن میں اپنا قاری متعین کرتے ہیں تو جتنا بلند معیار آپ کے قاری کا ہوگا اسی تناسب سے آپ کے ادب کا معیار خود بخود بلند ہوتا چلا جائے گا۔ مثلاً اگر آپ علامہ اقبال کو اپنا قاری سمجھ کر لکھیں گے تو آپ کا معیار ایک دم بلند ہو جائے گا۔ لیکن اگر آپ محلے کے کسی نیم خواندہ دکاندار کو اپنے سامنے رکھ کر کچھ لکھیں گے تو آپ کی کہانی پڑھ کر وہ خوش تو ہو جائے گا۔ لیکن آپ کی تحریر کا معیار گرتا چلا جائے گا، اس لئے کہ آپ کے مخاطب کا کوئی معیار نہیں

اسی لئے قرآن نے شاعروں اور ادیبوں کے مخاطبین کو بڑی اہمیت دی ہے کہ ان کے مخاطب اور مداح کون لوگ ہیں۔ اگر وہ گمراہ اور بے ادب لوگ ہیں اور اگر ان کا کوئی مقصد نہیں ہے تو پھر شاعر کا خود بخود بے مقصدیت کی طرف مائل ہو جانا لازمی ہے۔ اور اگر آپ کے مخاطبین متعین، قصد اور ہدف رکھنے والے لوگ ہیں، ان کی ایک علمی اور فکری سطح ہے اور Commited، ان کا ایک معیار ہے تو خود بخود آپ کی تحریروں کا معیار اونچا ہوتا چلا جائے گا۔ اس لئے لکھنے سے قبل اپنا قاری متعین کر لیں۔

مثنوی مولانا روم کی مثال لیں۔ مولانا روم نے جو مثنوی لکھی، جس کے بارے میں کہنے والوں نے کہا کہ قرآن کے معنی و مطالب کو پہلوی زبان میں انہوں نے بیان کیا۔ اسلامی ادبیات میں شاید ہی کوئی کتاب اتنی مقبول اور محترم گردانی گئی ہو جتنی مثنوی مولانا روم۔ اور کم ہی ایسی کتابیں ہوں گی جنہوں نے اتنا گہرا اثر مسلمانوں کی فکر اور تہذیب پر اور سوچنے کے انداز پر ڈالا ہو جتنا مثنوی مولانا روم نے ڈالا ہے۔ کم و بیش ۹،۸ سو سال تک دنیائے اسلام کے دو تہائی حصہ پر مثنوی مولانا روم کی حکمرانی رہی۔ جہاں فارسی نہیں بولی جاتی تھی وہ علاقے بھی مثنوی مولانا روم کے گہرے اثر میں تھے۔ جب انہوں نے مثنوی لکھنا شروع کی تو اپنے ایک شاگرد صلاح الدین زرکوب کو اپنا مخاطب بنایا اور جو کہتے براہ راست اس کے مخاطب صلاح الدین زرکوب ہی ہوتے تھے، ان کے علاوہ انہوں نے اپنے ایک اور شاگرد اور دوست مولانا حسام الدین چلپی کو ذہن میں رکھ کر مثنوی لکھی۔ ظاہر ہے کہ وہ اتنی اعلیٰ سطح کے افراد تھے کہ مولانا روم یہ سمجھتے تھے کہ ان کی مثنوی ان کے معنی و مطالب اور ادبیت سے جتنا یہ لوگ متاثر ہونگے اتنا اور کوئی نہیں ہوگا۔ انہی مخاطبین کا بالواسطہ یہ

فیض تھا کہ ان کے کام میں قوت اور چاشنی پیدا ہوئی۔

علامہ اقبال کے ایک دوست مولانا غلام قادر گرامی جو جالندھر کے رہنے والے اور فارسی کے بڑے اچھے شاعر اور ادیب بھی تھے، علامہ اقبال کے بڑے مداح تھے۔ اقبال کی تحریروں اور خطوط میں ان کا ذکر ملتا ہے۔ انہوں نے علامہ اقبال کو لکھا کہ جب میں شعر لکھتا ہوں تو آپ میرے ذہن میں ہوتے ہیں۔ اسی طرح علامہ اقبال کے ایک دوست حبیب الرحمٰن شیروانی تھے۔ آپ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے چانسلر اور ایک ریاست کے نواب ہونے کے ساتھ ساتھ بہت بڑے ادیب اور فاضل تھے۔ ان کے نام خط میں لکھتے ہیں کہ واللہ اگر آپ جیسے لوگ نہ ہوں تو ہم شعر کہنا چھوڑ دیں

لہٰذا جب آپ کچھ لکھیں تو اپنے ذہن میں ایک متعین مخاطب رکھیں۔ وہ مخاطب ایک مخلص اور پر جوش مسلمان ہو، با مقصد آدمی ہو، اس کا ایک علمی وفکری معیار ہو۔ قرآن پاک خود اعلیٰ ترین ادبی معیار کی ایک تحریر ہے۔ اتنے اونچے ادبی معیار کی تحریر کہ ۱۴۲۸ سال پہلے اس نے چیلنج دیا کہ اس جیسی کوئی کتاب بنا کر لے آؤ (۵) آج تک کوئی ادبی اعتبار سے اس معیار اور اس پائے کی چیز نہیں بنا سکا ☆ اگر ایک بیس صفحے کی کوئی عربی عبارت ہو اور اس میں دو سطریں قرآن پاک کی ہوں تو وہ سطریں اس عبارت میں اس طرح سے چمکتی ہیں جس طرح انگوٹھی میں نگینہ چمکتا ہے۔ خود قرآن کا براہ راست مخاطب کون تھا۔؟ محمد صلی اللہ علیہ وسلم۔ اللہ تعالیٰ نے براہ راست مخاطب کیا ہے۔ گویا خود کلام الٰہی کا بھی ایک متعین مخاطب ہے۔

تیسری صفت جو قرآن پاک نے بتائی یہ ہے کہ مخلص شاعر اور صاحب ایمان ادیب وہ ہیں جو کہتے ہیں ان پر عمل بھی کر کے دکھاتے ہیں۔ یقولون مالا یفعلون کے مصداق نہ ہوں (۶)، بلکہ جس پیغام کے وہ علمبردار ہوں اور ان کی تحریر، ان کے ادب اور ان کی شاعری میں جو پیغام جھلکتا ہے وہ پیغام ان کے قول و فعل میں بھی جھلکتا ہو۔ جیسے علامہ اقبال نے فرمایا:

ہزار خوف ہو لیکن زباں ہو دل کی رفیق　　یہی رہا ہے ازل سے قلندروں کا طریق

زبان اور دل ایک دوسرے کے رفیق ہیں۔ یہ ایک تیسری صفت ہے جو مسلمان ادیب کے کلام میں پائی جانی چاہیئے۔ یہ جذبات واحساسات پیغام میں جھلکتے ہوں وہی دل میں بھی موجزن ہوں اور وہی ان کے عمل سے بھی ظاہر ہوں۔ نبی کریمؐ نے بھی اچھی اور مثبت شاعری کو پسند کیا ہے۔

رسول اللہؐ نے بھی مختلف احادیث میں شعر و شاعری پر تبصرہ فرمایا ہے۔ اچھے ادب کو حضورؐ نے پسند فرمایا۔ اچھے کلام کی حضورؐ نے تعریف فرمائی اور برے کلام کے بارے میں آپؐ نے ناپسندیدگی کا اظہار فرمایا

عرب میں خطابت کا بڑا رواج تھا۔ خطابت علم ادب کی ایک بڑی صنف تھی۔ بلکہ اگر یہ کہا جائے کہ عربی زبان میں سب سے پہلی صنف ادب خطابت کی آئی تو کچھ غلط نہ ہوگا۔ اس کے بعد باقی اصناف ایک ایک کر کے آئیں۔ خود قرآن مجید کا انداز ایک خطیبانہ انداز ہے۔ قرآن ایک خطبے کے انداز میں ایک مقررانہ انداز میں نازل ہوا ہے۔ مدینہ منور میں حضورؐ کے پاس ایک وفد آیا جس میں ایک صاحب تھے جن کی خطابت کا چرچا پورے میں عرب میں تھا۔ انہوں نے چاہا کہ مدینہ میں آکر اپنی خطابت کے جوہر دکھائیں اور اپنے قبیلہ کی صفات کو فخریہ انداز میں بیان کریں۔ حضورؐ نے اجازت مرحمت فرمادی اور ارشاد فرمایا کہ بیان کرو حضورؐ کا مقصد غالباً یہ بتانا تھا کہ خطابت کی اس خوبی اور اس نعمت کو کس طرح سے بہترین طریقہ سے استعمال کیا جا سکتا ہے۔ ان کا خطیب کھڑا ہوا۔ سب لوگ بیٹھ گئے۔ اس نے اپنے قبیلہ کی توصیف و تعریف بیان کی۔ اور اپنی خطابت کے جوہر دکھائے۔ اپنی بہادری کے جوہر دکھانے کیلئے اپنے اور اپنے قبیلے کی طرف سے کئے جانے والے مظالم کا اظہار کیا۔ عرب اس اظہار و افتخار کو جرم نہیں سمجھتے تھے

رسول اللہؐ نے انصاری صحابی حضرت ثابت بن قیسؓ کو جواب دینے کا حکم دیا۔ لیکن ثابت بن قیسؓ اس درجے کے خطیب نہیں سمجھے جاتے تھے جس درجہ کا اس قبیلہ کا خطیب مشہور تھا۔ تاہم اس وقت رسول اللہؐ کا ارشاد فرمانا اور جوش و جذبہ، اور ایک غیر اسلامی اور جاہلانہ انداز کا جو خطبہ انہوں نے سنا تھا اس کا جواب دینے کا شدید داعیہ، حضرت ثابت ایمان و مقصدیت سے بھرپور جذبات کے ساتھ جواب دینے آئے اور اللہ تعالیٰ کا کرنا یہ عام سا وعظ نہ تھا اور نہ عام سی تقریر تھی۔ بلکہ ادب کا اعلیٰ معیار تھا

ان کا خطبہ اتنا غیر معمولی تھا کہ رسول اللہؐ نے فرمایا کہ:

ان من البیان السحرا یعنی بعض بیان جادو کی طرح ہوتے ہیں۔ (۷)

ان کا خطیبانہ کلام اتنا زوردار اور اونچے معیار کا تھا کہ تمام حاضرین متاثر ہوئے اور وہ سارے کا

سارا قبیلہ اسلام میں داخل ہوگیا۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اچھے ادیب اور خطیب کو رسول اللہؐ کی سرپرستی کس طرح حاصل تھی۔

اس زمانے میں عربی ادب میں شاعر کے قصیدہ کی وہی اہمیت تھی جو آج کل صحافی اور اخبار نویس کی ہے۔ یہی مقام اور مرتبہ عربوں میں شاعر کو حاصل تھا۔ ہر قبیلہ کا ایک شاعر ہوتا تھا جو اس قبیلہ کا موقف بیان کیا کرتا تھا۔ جس میں اس قبیلہ کی صفات اور بہادری کے تذکرے اس قدر غیر معمولی ہوتے تھے کہ مولانا شبلی نے لکھا ہے۔ ''ان قصائد کو پڑھ کر اس قدر جوش پیدا ہوتا ہے کہ اس بڑھاپے میں میرا خون ابلنے لگتا ہے'' ایک اور جگہ لکھا ہے کہ ''اس میں اس قدر رزمیہ بیاں ہے کہ میں اس کو اس عمر میں بھی پڑھتا ہوں تو ایک نیا جذبہ معلوم ہوتا ہے۔'' قصیدے کی وہی اہمیت تھی جو آج کل صحافت کی ہے۔

محرق ایک غریب آدمی تھا جس کی پانچ بیٹیاں تھیں۔ غربت کی وجہ سے ان کی شادیوں کا مسئلہ تھا۔ جاہلیت کا زمانہ تھا۔ اس وقت کا ایک مشہور و معروف شاعر اعشیٰ تھا جو اسلام کے ابتدائی سالوں تک زندہ رہا۔ محرق کی بیوی کو پتہ چلا کہ اعشیٰ عکاظ کے میلے میں شرکت کی غرض سے وہاں سے گزرنے والا ہے تو اس نے اپنے شوہر سے کہا کہ اس کی دعوت کرو۔ محرق نے اس کی دعوت کی۔ اور عربوں کی جو کمزوری ہے بھنا ہوا گوشت، محرق نے اپنا اونٹ ذبح کیا اور اس کے تکے بنا کر اسے کھلائے۔ وہ تین چار روز مہمان رہا۔ اس کے بعد اعشیٰ وہاں سے رخصت ہوا اور عکاظ کے میلے میں جا پہنچا۔ وہاں سب لوگوں کو اس کی آمد کا پتہ چلا۔ کیونکہ وہ شاعر تھا اس لئے لوگ اس کا تازہ کلام سننے کیلئے وہاں جمع ہوگئے اس نے ایک طویل قصیدہ سنایا جس میں محرق کی سخاوت اور مہمان نوازی کی تعریف کی اور اس کی بیٹیوں کا بھی ذکر کیا کہ وہ بہت باپردہ اور باحیا ہیں، اور پردے اور حیا کے اندر رہ کر وہ مہمانوں کی مدارت کرتی ہیں۔ اس نے کچھ اس مفہوم کے شعر اس انداز میں کہے دو تین ماہ کے اندر اس کی بیٹیوں کی شادی امیر گھرانوں میں ہوگئیں اس سے آپ اندازہ کرلیں کہ اسلام کے آنے سے قبل اور اسلام کے آنے کے بعد بھی ایک مدت تک شاعروں کی کیا حیثیت تھی۔ عرب میں اپنے موقف کو بیان کرنے اور اپنے پیغام کو عام کرنے کیلئے شعروشاعری کو کس طرح ذریعہ بنایا گیا

رسول اللہؐ نے شاعری اور ادب کی اس صنف سے پورا پورا فائدہ اٹھایا۔ جب قریش مکہ نے شعرو شاعری کے ذریعہ آپؐ کے خلاف عرب میں ایک فضا بنانی چاہی تو کعب بن اشرف اور کعب بن زہیر جیسے شعراء کی بڑی تعداد نے پورے عرب میں پھیل کر اسلام اور آپؐ کے خلاف اس شاعری کو استعمال کیا۔ آپؐ نے دربار رسالت کے شاعر حضرت حسان بن ثابتؓ کو جواب دینے کا حکم دیا۔ پھر آپؐ نے دعا فرمائی اے اللہ روح القدس کے ذریعہ ان کی مدد فرما

عربوں کا جب مقابلہ ہوتا تھا تو ایک دوسرے کہ قبیلوں پر اعتراضات بھی ہوتے تھے اور ایک دوسرے کی کمزوری بھی بیان کی جاتی تھی۔ رسول اللہ کا معاملہ یہ تھا کہ مخالف اور موافق دونوں کا تعلق قریش سے تھا۔ خود آپؐ کا تعلق قبیلہ قریش سے تھا۔ اب قبیلہ قریش کی جانب سے جو اعتراضات آتے تھے ان کا جواب کیسے دیں؟ اگر قبیلہ پر تنقید ہو تو پھر آپؐ کے خاندان پر بھی تنقید ہوتی تھی حضرت حسان بن ثابتؓ نے کہا میں بڑی مشکل میں ہوں اس کا جواب کیسے دوں اس پر حضورؐ نے کہا تم حضرت ابو بکر صدیق سے کہو وہ انساب کے بہت بڑے ماہر ہیں، قریش کے آپس میں تعلقات کیا ہیں اور کس خاندان میں کیا خوبیاں اور کیا کمزوریاں ہیں، یہ سب وہ تمہیں بتائیں گے۔ جس خاندان میں ذاتی کمزوری ہو اس کو بیان کرو، چنانچہ انہوں نے حضرت ابو بکر صدیقؓ کے مشورہ سے شعرو شاعری کے کمالات کا جو مظاہرہ کیا وہ آج تک سب کے سامنے ہے(۸) ان کے کمالات اتنے غیر معمولی ہیں اور ان کے شاعرانہ اسلوب اور قصائد میں اس قدر زور تھا کہ اس زمانے کے لوگوں نے کہا کہ حسان بن ثابتؓ اشعر اہل المدر ہیں

اس زمانے میں عرب میں دو قسموں کے لوگ تھے۔ ایک اہل الوبر اور دوسرے اہل المدر۔ مدر کے معنی ہیں اینٹ اور وبر کے معنی ہیں اون۔ یعنی اونٹ کے اون کا خیمہ بنا کر خانہ بدوش لوگ رہتے ہیں۔ گویا خانہ بدوش لوگ اہل الوبر کہلاتے تھے۔ حضرت حسان بن ثابتؓ کا تعلق کیونکہ عرب کی شہری آبادی سے تھا اس لئے وہ اشعر اہل المدر کہلاتے تھے۔

خود مسلمانوں میں بے شمار ایسے مواقع آئے کہ شاعروں نے رسول اللہؐ کی موجودگی میں اپنے شاعرانہ کمالات کا مظاہرہ کیا اور آپؐ نے اسے بیٹھ کر سنا۔ خود آپؐ کا بیٹھ کر سننا سنت ہے۔ لیکن جب کبھی بھی کوئی ایسی بات کہی گئی جس سے اسلامی عقیدے یا اسلام کی آفاقیت پر ضرب پڑتی تھی

تو حضورؐ نے اس کی اصلاح فرمائی اور اسکو ٹھیک فرمایا۔ ایک مرتبہ کسی شادی کے موقع پر بچیاں گیت گا رہی تھیں:

وفینا نبی یعلم ما فی غد ہمارے اندر ایک ایسے نبی ہیں جو کل کی بات بھی جانتے ہیں۔

اس مصرعے کو حضورؐ نے نکلوا دیا اور کہا کہ ایسا کہو کہ کل کی بات صرف اللہ تعالیٰ جانتا ہے۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اسلامی عقیدے کے بارے میں آپؐ نے بڑے حساس رویہ کا مظاہرہ کیا۔ اگر کوئی چیز اسلامی عقیدے کے خلاف تھی تو حضورؐ نے اس کو پسند نہیں کیا۔

کعب ابن زہیر ایک مشہور قبیلہ سے تعلق رکھتے تھے۔ یہ بہت بڑے شاعر تھے۔ کعب ابن زہیر شاعروں کے اس گروہ میں شامل تھے جو اسلام کے خلاف اپنے شاعرانہ کمالات کا اظہار کیا کرتا تھا۔ رسول اللہؐ کے خلاف طرح طرح کے بہتان لگانا، آپؐ پر طنز کرنا، آپ کو نعوذ باللہ جادوگر ثابت کرنا اور حضورؐ کے خلاف یہ کہنا کہ آپ کو مرگی کے دورے پڑتے ہیں اور اس کے اثر سے جو کچھ نکلتا ہے آپ اسے کلام الٰہی کہا کرتے ہیں، اس طرح کی باتیں وہ کیا کرتے تھے اور عرب میں ان کے شعر کا بڑا اثر ہوا کرتا تھا۔ جب مکہ فتح ہوا تو آپؐ نے سات آٹھ افراد کے متعلق حکم دیا کہ وہ جنگی مجرم ہیں ان کے لئے کوئی معافی نہیں، انکو جہاں دیکھو قتل کرو۔ کعب بن زہیر بھی ان میں سے ایک تھے۔ انہیں اس بات کا علم ہوا تو مکہ فرار ہونے کی کوشش کی لیکن کامیاب نہ ہو سکے۔ کسی نے ان سے کہا کہ جا کر حضورؐ سے معافی مانگیں۔ ہوسکتا ہے کہ آپؐ معاف کر دیں کیونکہ بہت سے لوگوں کو معافی مل چکی ہے۔ ان کی سمجھ میں یہ بات آ گئی۔ چونکہ اس وقت آپ مکہ میں ہی تھے اس لئے کعب ابن زہیر فجر کی نماز کے بعد چادر لپیٹ کر آپؐ کے پاس گئے اور سلام کے بعد کہا کہ اگر کعب بن زہیر آ کر ایمان لے آئیں اور توبہ کرلیں تو کیا آپ ان کو معاف کر دیں گے۔ حضورؐ نے فرمایا کہ بالکل۔ انہوں نے فوراً چادر اتاری اور کہا کہ میں ہی کعب ابن زہیر ہوں۔ آپؐ نے انہیں معاف کر دیا اور عزت کے ساتھ بٹھایا۔ پھر انہوں نے آپؐ کی شان میں ایک قصیدہ پڑھا۔ یہ قصیدہ جاہلی اسلوب میں تھا اور اس میں وہی زور و بیاں تھا جو اس وقت مقبول و مرغوب تھا۔ قصیدہ کا مطالعہ کریں اس قصیدے کی وہی ساخت تھی، پہلے غزل ہے، پھر تشبیب ہے، اس کے بعد گریز اور آخر میں گریز کر کے حضورؐ کی طرف آئے ہیں۔ اور آپؐ کی

شان میں بھی کچھ اشعار پڑھے جو نعتیہ قصیدہ کا ایک نمونہ ہیں، اس میں کہا کہ: ''آپ ہندوستان کی تلواروں میں سے ایک ستی ہوئی تلوار ہیں'' اس زمانے میں ہندوستان کی تلواریں بہت مشہور تھیں۔ لیکن حضورؐ نے اسکو درست کیا اور کہا کہ نہیں بلکہ اللہ کی تلواروں میں سے ایک تلوار کہو۔ کسی خاص علاقے سے نسبت کو آپؐ نے پسند نہیں کیا۔ اور اللہ کی تلوار کہ کر ایک آفاقیت اور پوری کائنات سے نسبت کو آپؐ نے پسند فرمایا۔ جب انہوں نے یہ قصیدہ سنایا تو حضورؐ نے ان کو اپنی اوڑھی ہوئی چادر عنایت کر دی۔ یہ چادر اب بھی ترکی کے توپ کاپی میوزیم میں موجود ہے۔ اسلئے اس قصیدہ کو قصیدہ بردہ کہا جاتا ہے (ایک قصیدہ بردہ اور بھی ہے لیکن اس کا واقعہ دوسرا ہے)

اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ ادب کے صحیح تصور کی رسول اللہؐ نے ہمیشہ حوصلہ افزائی کی، اس کو پروان چڑھایا اور خود اپنی سرپرستی، رہنمائی اور نگرانی میں اچھا ادب تخلیق کروایا کہ لوگوں نے آپ کی موجودگی میں اپنے ادیبانہ اور شاعرانہ کمالات کا اظہار کیا۔ اور اگر کسی سے کوئی غلطی یا کوتاہی ہوتی تو حضورؐ اس کی فوراً اصلاح کر دیتے اور اس کو صحیح اسلامی معیار کے مطابق بنا دیا کرتے تھے۔ اس کے علاوہ وقتاً فوقتاً حضورؐ اسلام سے پہلے کے ادیبوں اور شاعروں کے کلام پر تبصرہ بھی فرمایا کرتے تھے۔ اسلام سے پہلے کے ادیبوں اور شاعروں کو جاہلی شعراء کہا جاتا ہے۔۔ جاہلی ادب عرب میں بڑا مشہور ہے اپنی قوت بیان سادگی اور دیگر خاص خصوصیات کے اعتبار سے ایک خاص مقام رکھتا ہے۔ قرآن پاک اور حدیث کے بعض مضامین کو سمجھنے کیلئے اس کا مطالعہ بہت ضروری ہے۔ اس لئے کہ اس زمانے کے محاورات اور اسالیب بیان سب اس میں محفوظ ہیں ان میں بعض شاعروں کے کلام پر حضورؐ نے تبصرہ بھی فرمایا۔ امراؤ القیس کو اشعر الشعرا کہا جاتا تھا۔ اس کی شاعری کے متعلق کسی نے آپؐ سے دریافت کیا کہ وہ کیسا شاعر ہے تو آپؐ نے فرمایا کہ وہ اشعر الشعراء ہے اور اپنے ماننے والوں اور پیروکاروں کو جہنم کی طرف لے جانے والا ہے۔ اس کے کلام میں فحاشی، عریانی اور بداخلاقی کی تلقین ہے۔ اس میں جاہلی کلام کی ساری خرافات ہیں۔ تاہم شاعر اچھا تھا اس لئے حضورؐ نے اس کے شاعرانہ کمالات کی تعریف فرمائی۔ لیکن چونکہ شاعری کا سارا رخ منفی عقیدے کی جانب تھا اس لئے اسے جہنم کی جانب لے جانا والا قرار دیا

عرب کا ایک اور بہت بڑا شاعر گزرا ہے۔ عنترہ، یہ عرب کے سات بڑے شعراء میں سے ایک تھا۔ وہ ایک شعر میں کہتا ہے:

''میں تمام رات مشکل سے گزارتا ہوں اور پورا دن محنت مشقت کرتا ہوں تا کہ عزت کی روٹی کما سکوں'' آپؐ نے فرمایا ''کسی شاعر کے شعر کو سن کر مجھے اس سے ملنے کی اتنی خواہش نہیں ہوئی جتنی اس شخص سے ہوئی'' یہ اس لئے فرمایا کیونکہ اس نے اپنے کلام میں ایک اخلاقی قدر کی پزیرائی کی تھی۔

طرفہ بن عبد ایک نوجوان شاعر تھا جو صرف ۲۰ سال کی عمر میں مارا گیا شاعرانہ کمالات کی وجہ سے اس کا شمار بھی عرب کے سات بڑے شعراء میں ہوتا تھا۔ نبی کریمؐ کو اس کا ایک شعر بہت پسند تھا اور حضرت عائشہ فرماتی تھیں کہ آپ کی زبان پر اکثر اس کا ایک شعر ہوتا تھا:

عنقریب ایک وقت آئے گا کہ ایسے ایسے حقائق کا انکشاف ہوگا جو تمہارے سامنے نہیں ہیں
اور ایسے ایسے لوگ تمہیں نئی نئی باتیں بتائیں گے جن کو تم نے اس کام کیلئے مقرر نہیں کیا ہوگا

حضورؐ نے ان کو اسلامی مفہوم میں بیان کیا اور پسند فرمایا۔ آپؐ نے اچھے شعر کو اور خاص طور پر ایسے شعر کو جس میں اچھے اخلاق کا اظہار کیا گیا ہو، جس میں سچائی اور بہادری کا ذکر ہو، اس کی ہمیشہ تعریف فرمائی۔

اس دور کے سب سے بڑے شاعر حسان بن ثابتؓ تھے۔ شاعر دربار رسول۔ انہوں نے اسلامی عقائد اور تصورات کو پروان چڑھایا۔ ان کے قصائد ادبیانہ معیار کے لحاظ سے عرب کے اس وقت کے بڑے بڑے شعراء سے کسی طرح کم نہ تھے۔ نبی کریمؐ نے خود اپنے بارے میں ارشاد فرمایا میں عرب میں سب سے زیادہ فصیح ہوں۔ حضورؐ نے لاتعداد نئے نئے محاورے اور بے شمار نئے نئے اسالیب بیان عربی زبان کو دیئے۔ لیکن ہم احتراماً حضورؐ کو ادیب نہیں کہتے۔

رسول اللہؐ اچھے شعر اور خاص طور پر اچھے ادب کو، جس میں کسی بڑی حقیقت کی نشاندہی کی گئی ہو، لوگوں کو مکارم اخلاق پر اکسایا گیا ہو، اچھے اخلاقی اقدار کا ذکر کیا گیا ہو، اسلامی عقائد کی بالا دستی اور ان کا اعلیٰ وارفع ہونا بتایا گیا ہو، ہمیشہ پسند کیا، اس کی سرپرستی فرمائی اور ان لوگوں کو جو اس ادب سے وابستہ تھے اپنی سرپرستی سے نوازا۔

دور جدید میں بامقصد اسلامی ادب کی سب سے بڑی مثال علامہ اقبال کی ہے۔ اقبال کی زندگی

میں کچھ لوگوں نے یوم اقبال منایا۔ اقبال خود تو اس میں شریک نہیں ہوئے لیکن وہاں پر کیا گیا ایک تبصرہ ان کو بہت پسند نہیں آیا۔ وہاں کسی مقرر نے کہا کہ اقبال قرآن کا شاعر ہے یا شاعر کا قرآن ہے، قرآن کے حقائق کو بیان کرتا ہے

اس دور میں اعلیٰ ادب کا نمونہ اقبال کا کلام ہے

اقبال کی شاعری کا جائزہ لیں تو آپ کو تین چیزیں ملیں گی

۱۔ مقصدیت

۲۔ مخاطبین

۳۔ جو کہا اس پر عمل کرنے کی کوشش کی

اگر آپ فارسی نہ جانتے ہوں تو فارسی ضرور سیکھیں۔ فارسی میں اسلامی ادب کا معیار بعض پہلوؤں میں خود عربی ادب سے بھی بڑھ کر ہے۔ اقبال کا کلام سمجھنے کیلئے ہی فارسی اس بات کی مستحق ہے کہ سیکھی جائے۔ بال جبرئیل اقبال کی اردو شاعری کی معراج ہے۔ نظم مسجد قرطبہ بال جبرئیل کی معراج ہے۔ بال جبرئیل اور خاص طور پر مسجد قرطبہ کی پیشتر بندشیں محاورات اور الفاظ تو فارسی میں ہیں یا فارسی سے متاثر ہیں۔ لہٰذا فارسی ضرور سیکھیں۔ مسلمان ادیب کو فارسی اور بقدر ضرورت عربی ضرور آنی چاہیے۔ عربی بقدر ضرورت اور فارسی اس لئے کہ اقبال، حالی، اکبر، رومی، سعدی اور حافظ شیرازی کو آپ سمجھ سکیں

حواشی و حوالہ جات

۱۔ سورۃ الشعراء آیت ۲۲۴۔۲۲۶

۲۔ ایضاً

۳۔ محمد الآلوسی البغدادی۔ روح المعانی۔ بیروت لبنان دار احیاء التراث العربی الجزء التاسع ص/ ۱۴۵۔۱۴۸

۴۔ سورۃ الشعراء آیت ۲۲۴۔۲۲۶

۵۔ سورہ بقرہ ۲۳۔ یونس/ ۳۸۔ اسراء ۸۸ ھود ۱۳

۶۔ سورۃ الشعراء ۲۲۴۔۲۲۶

۷۔ ابن کثیر مختصر تفسیر ابن کثیر ج/ ۳ ص/ ۷۰ او مشکوۃ المصابیح ص/ ۴۱۰

۸۔ ولی الدین الخطیب، مشکوۃ المصابیح ص/ ۴۰۹

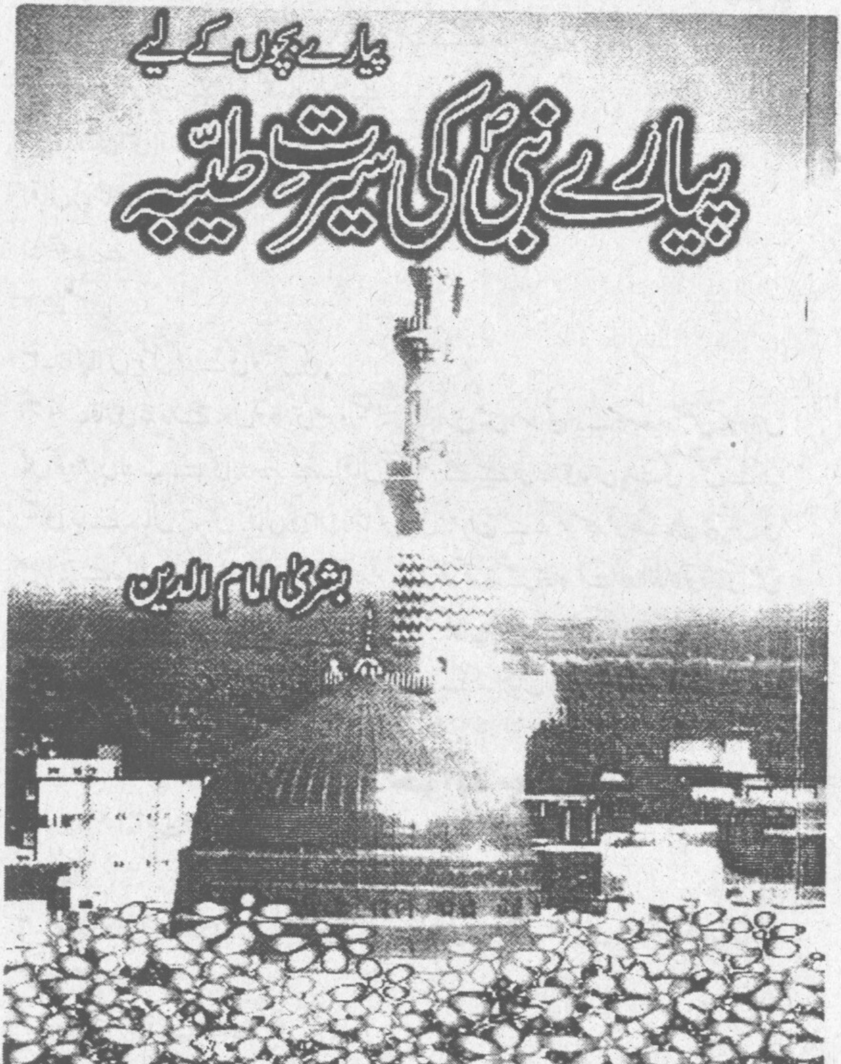

دعوۃ اکیڈمی بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی اسلام آباد